حضرت صالح علیہ السّلام

قومِ ثمود

اُمَمِ سامیہ میں سے جن قبائل نے اندرونِ عرب میں حکومتیں قائم کیں ان میں سب سے مشہور قبیلہ (بلکہ قوم) ثمود کا تھا۔ ان کی ترقی کا زمانہ عادِ اُولیٰ کے بعد کا ہے۔ یہ قوم عرب کے شمال مغربی حصہ پر حکمران تھی جسے وادیٔ قرٰی کہتے تھے۔ حجران کا دارالحکومت تھا جو اس قدیم راستہ پر واقع تھا جو حجاز سے شام کی طرف جاتا ہے۔ وادیٔ قرٰی کے گرد وپیش کا میدان بڑا سرسبز و شاداب ہے لیکن آتش فشاں مادہ سے لبریز۔ قرآنِ کریم نے اس قوم کو عاد کا جانشین بتایا ہے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ (۷/۷۴)

اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھو کہ خدا نے تمہیں قومِ عاد کے بعد اس کا جانشین بنایا اور اس سرزمین میں اس طرح بسا دیا کہ میدانوں سے محل بنانے کا کام لیتے ہو اور پہاڑوں کو بھی تراش کر اپنا گھر بنا لیتے ہو۔ پس اللہ کی قدرتوں کو یاد کرو اور ملک میں سرکشی کرتے ہوئے خرابی

نہ پھیلاؤ۔

حضرت موسٰیؑ کے زمانہ سے پیشتر ان کی تباہی ہو چکی تھی کیونکہ دربارِ فرعون کا مردِ مومن اپنی قوم سے کہتا ہے کہ اگر تم اپنی بدکرداریوں سے باز نہ آئے تو تمہارا حشر بھی وہی ہوگا جو قومِ نوح و عاد و ثمود کا ہوا تھا (۳۰۔۳۲/۴۰) اس سے معلوم ہوا کہ اس قوم کا زمانہ قریب اڑھائی ہزار ق.م سے لے کر ۱۶۰۰ ق.م تک کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر اپنی نوازشات کی گہرباری فرما رکھی تھی۔ انہیں متمکن فی الارض کیا تھا (۷/۷۴)۔ قومِ عاد کی طرح یہ لوگ بھی میدانوں میں رفیع و وسیع محلات تعمیر کرتے تھے اور پہاڑوں کے گوشوں میں مستحکم قلعے بناتے جو فنِ سنگ تراشی کے نمونے تھے (۷/۷۴؛ ۱۵/۸۲)۔ پُرفضا باغات، لہلہاتی کھیتیاں، صاف و شفاف اُبلتے ہوئے چشمے (۲۶/۱۴۶۔۱۴۹)۔

دولت و سطوت

وادیٔ قریٰ میں سنگین عمارات۔

وَ ثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ (۸۹/۹)

اور (کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے پروردگار نے) قوم ثمود کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ (کون سی قوم ثمود) وہی جنہوں نے پہاڑوں کے دامنوں میں بڑی بڑی چٹانوں کو تراشا اور مکانات بلکہ قلعے بنائے تھے)۔

قومی اکثریت اور جنود و عساکر۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ۝ فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ ۝ (۸۵/۱۷۔۱۸)

(اور اے پیغمبرِ اسلام! تمہیں لشکروں (جنود و عساکر) کی خبر بھی پہنچی (یا نہیں؟ کونسے جنود و عساکر؟ فرعون اور قومِ ثمود کے جنود و عساکر کی!

یہ تھی وہ قوم جن کی طرف خدا کے پیغمبر آتے رہے۔ لیکن انہوں نے اپنی دولت و حشمت، حکومت و قوت کے نشے میں قوانینِ الٰہیہ کی تکذیب کی۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (۱۵/۸۰)

اور (دیکھو) حجر کے لوگوں نے بھی رسول کی بات جھٹلائی۔

یہاں ان کے دارالحکومت کی نسبت سے اصحٰب الحجر کہا گیا ہے۔ دوسری جگہ ان کا نام مذکور ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (۲۶/۱۴۱)

اور (دیکھو) قومِ ثمود نے رسولوں کی بات جھٹلائی۔

سورۂ قمر میں ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ (۵۴/۲۳)

(اور دیکھو) قومِ ثمود نے (انکار و بد عملی کے بدنتائج سے) ڈرانے والوں کی بات جھٹلائی۔

بعثتِ حضرت صالحؑ تا آنکہ جب ان کی سرکشی و عدوان حد سے بڑھ گئی اور قانونِ مشیت کے مطابق مہلت کا زمانہ ختم ہونے کو آیا تو ان کی طرف، اسی قبیلہ سے حضرت صالحؑ مبعوث ہوئے۔

وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا (۷/۷۳، نیز ۱۱/۶۱؛ ۲۶/۱۴۲؛ ۲۷/۴۵)

اور (دیکھو) ہم نے قومِ ثمود کی طرف انہی کے بھائی بند صالح کو مبعوث کیا۔

اس وقت ہر جابر و مستبد قوم کی طرح اس قوم کی بھی یہ حالت ہو چکی تھی کہ وہ ملک میں فساد[1] برپا کرتے تھے اس لئے ان سے کہا گیا کہ

وَ لَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ (۷/۷۴)

اور ملک میں سرکشی کرتے ہوئے خرابی نہ پھیلاؤ۔

مفسدین کی قوم اربابِ حکومت و اقتدار بے حد سرکش و مفسد تھے۔

---

[1] فساد برپا کرنے سے ہمارا ذہن ڈاکہ زنی، قزاقی، بدامنی وغیرہ کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ لیکن فساد کا قرآنی مفہوم اس سے کہیں وسیع ہے۔ اس کے نزدیک ہر وہ نظام جو غیر خداوندی قوانین پر مشتمل ہو، فساد ہے۔ (خواہ اس میں بظاہر کیسا ہی امن کیوں نہ ہو) اور اس کے مقابلہ میں اصلاح صرف اسی نظام کا نام ہے جو قوانینِ خداوندی پر قائم ہو۔ اس مفہوم کو سامنے رکھنے سے فساد اور مفسد کی قرآنی اصطلاحات کے صحیح معنی سمجھ میں آسکیں گے (تفصیل اس اجمال کی اپنے مقام پر ملے گی)۔

وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝ (۲۶/۱۵۱—۱۵۲)

اور (دیکھو، صالحؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ "اے قوم ثمود!) حد سے تجاوز کرنے والوں کے حکم کی اطاعت نہ کرو جو زمین پر فساد برپا کرتے رہتے ہیں اور (کبھی) اصلاحِ احوال (کا ارادہ بھی) نہیں کرتے۔

جب رزق کی تقسیم قوانینِ خداوندی کے مطابق نہیں ہوتی تو انسانی معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس کو فَسَادٌ فِي الْاَرْض کہا جاتا ہے، یعنی انسانی معاشرہ کی ناہمواریاں۔ جب یہ ناہمواریاں (قوانینِ خداوندی کے مطابق) ہمواریوں میں بدل جاتی ہیں تو اسے اصلاح کہا جاتا ہے۔ قومِ ثمود کے معاشرہ میں اسی قسم کی ناہمواریاں پیدا ہو چکی تھیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ دار الحکومت میں نو وزراء تھے جن کے سپرد علاقہ کا انتظام تھا اور چونکہ پورے کا پورا نظامِ حکومت بگڑ چکا تھا اس لئے یہ سب کے سب مفسد و مستبد تھے۔

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝ (۲۷/۴۸)

اور شہر میں نو آدمی (سربرآوردہ اور ذمہ دار) تھے جو (ہمیشہ) ناہمواریاں پیدا کرتے رہتے تھے اور اصلاحِ حال (کی طرف توجہ ہی) نہیں کرتے تھے۔

ان کا سرغنہ ان سب سے بڑھ کر شقی و بدبخت تھا۔

اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ... (۹۱/۱۲—۱۳)

(اور یاد کرو) جب اُس (قوم) کا بدبخت ترین شخص اُٹھا، تو اللہ کے رسول (صالح) نے ان لوگوں سے کہا.....

ان حالات کے ماتحت بھلا احکامِ الٰہیہ کی طرف کون توجہ دیتا؟

وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝ (۱۵/۸۱)

اور (دیکھو) ہم نے انہیں اپنے قوانین عطا کئے (مگر انہوں نے اُن سے کوئی نفع نہ اُٹھایا)۔ چنانچہ وہ اُن سے روگردانی کروانے ہی رہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہاں ایک نکتہ پر غور کیجئے۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ اس قوم میں فساد عام ہو چکا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ کہتا ہے کہ ان کے مرکزی مقام (دارالحکومت) میں نو سربرآوردہ ایسے تھے جو درحقیقت اس فساد کے سرچشمہ تھے۔ یہ چیز ایک عظیم حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ قوموں میں فساد کا ذمہ دار دراصل اوپر کا طبقہ ہی ہوتا ہے۔ عوام تو ان کے پیچھے چلنے والے ہوتے ہیں۔ جس قسم کا اوپر کا طبقہ اسی قسم کے عوام۔ اگر اُوپر کے طبقہ کی اصلاح ہو جائے تو قوم خود بخود اصلاح یافتہ ہو جاتی ہے۔

اُوپر کا طبقہ

وہی دعوتِ انقلاب

یہ تھے وہ حالات جن میں حضرت صالحؑ کی بعثت ہوئی۔ آپ تشریف لائے اور قوم کو اسی اساسی اور اصولی پیغامِ خداوندی کی طرف دعوت دی جو آسمانی سلسلۂ رشد و ہدایت کی اوّلین کڑی ہے۔ فرمایا:-

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط (۷/۷۳؛ نیز ۲۷/۴۵؛ ۱۱/۶۱)

اُس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ ہی کی عبودیت (اطاعت و محکومیت) اختیار کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ (حاکم اور آقا) نہیں۔

حکومت صرف ایک خدا کی، کسی انسان کی نہیں اور اس حکومت کی عملی تشکیل اس طرح کہ دلوں میں تقویٰ اور مرکز کی اطاعت۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝ (۲۶/۱۴۲-۱۴۴)

اُن سے اُن کے بھائی بند صالح نے کہا کہ "کیا تم قوانینِ خداوندی کی نگہداشت نہیں رکھتے؟ یاد رکھو! میں تمہارے لئے خدا کا ایک امانت دار پیغامبر ہوں۔ خدا کے نظام کی حفاظت میں آجاؤ اور (کیونکہ میں اس نظام کے مرکز کی حیثیت رکھتا ہوں) میری اطاعت (اور فرمانبرداری) کرو۔

یعنی مفسدین کی حکومت کی اطاعت مت کرو، بلکہ اطاعت فقط حکومتِ الٰہیہ کی کرو۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۚ وَ لَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ

يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَ لَا يُصْلِحُوْنَ ۝ (۲۶/۱۵۲-۱۵۰)

پس قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرو اور میری (بحیثیتِ مرکز) اطاعت کرو اور حد سے تجاوز کرنے والوں کے حکم کی اطاعت نہ کرو، جو (صرف یہی جانتے ہیں کہ) ملک میں فساد برپا کرتے رہتے ہیں اور (کبھی) اصلاحِ حال (کا ارادہ تک) نہیں کرتے۔

کتنا بڑا اعلانِ بغاوت اور کیسا نعرۂ انقلاب ہے! حقیقت یہ ہے کہ علمبردارانِ حکومتِ خداوندی دنیا میں سب سے بڑا انقلاب برپا کرنے کے لئے آتے ہیں۔ دوسرے انقلاب کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ایک کی حکومت کی جگہ کسی دوسرے کی حکومت قائم کر دی جائے۔ لیکن آسمانی انقلاب کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ حکومت و اقتدار کی کنجیاں انسانوں کے ہاتھ سے چھین کر اقتدار و اختیار کے حقیقی مالک، خدائے ارض و سمٰوٰت کے سپرد کر دی جائیں۔ اس سے بڑا انقلاب اور کیا ہو سکتا ہے جس میں کسی انسان کو کسی شکل میں، کسی دوسرے انسان پر حکومت کا حق ہی حاصل نہ ہو اور رزق کے معاملہ میں کوئی انسان کسی دوسرے کا محتاج نہ ہو۔ سب انسان برابر اور ایک خدا کے قانون کے محکوم جو رب العٰلمین ہے جس کی حکومت میں ظلم و استبداد، سلب و نہب اور غصبِ حقوق کا امکان ہی نہیں، یہ تھی وہ حکومت جو حضرت صالحؑ قائم کرنا چاہتے تھے! وہ اربابِ قوت و سلطنت جن کے چہرے کی سُرخیاں اور حریمِ ناز کی رنگینیاں انسانی خون کی رہینِ منت تھیں کس طرح اپنے اقتدار و اختیار سے دست کش ہو کر مخلوقِ خدا کے خدّام کی صف میں کھڑے ہو جاتے؟ لہٰذا وہی ہوا جو ہوتا چلا آیا ہے اور جو ہوتا چلا جائے گا۔ کمزور و ناتواں اور مظلوم و مقہور انسانوں نے جو انسانی چیرہ دستیوں سے تنگ آ چکے تھے، اس دعوتِ ربّانی پر آگے بڑھ کر لبیک کہا اور اربابِ دولت و قوت اس کی مخالفت میں صف آرا ہو گئے!

اربابِ قوت کی طرف سے مخالفت

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا ..... اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ (۷/۷۶-۷۵)

قوم کے جن سربرآوردہ لوگوں کو (اپنی دولت و طاقت کا گھمنڈ تھا انہوں نے مومنوں سے کہا، یعنی ان لوگوں سے جنہیں ان کی چیرہ دستیوں نے سخت کمزور کر رکھا تھا کہ کیا تم نے سچ مچ کو معلوم کر لیا ہے کہ صالحؑ خدا کا بھیجا ہوا ہے؟ (یعنی ہمیں تو ایسی کوئی بات اس میں دکھائی

نہیں دیتی) انہوں نے کہا ہاں، بے شک۔ جس پیام حق کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے، ہم اُس پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ اس پر ان سرکش و متمرّد سرداروں نے کہا، تمہیں جس بات کا یقین ہے، ہمیں اس سے انکار ہے۔

وہ آمادۂ پیکار تھے۔ لیکن حضرت صالحؑ ایک ناصحِ مشفق کی طرح انھیں برابر سمجھاتے چلے جاتے تھے کہ اپنے ہاتھ سے اپنی قبریں نہ کھودو۔ لیکن نشۂ حکومت میں ان نصائح کو سنتا کون ہے؟

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ..... بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ۝ (۲۷/۴۶-۴۷)

صالحؑ نے کہا کہ اے میری قوم! تم بھلائی (کامیابی و کامرانی) سے پہلے (اُس کے بجائے) برائی (ہلاکت و تباہی) کو کیوں جلدی مانگ رہے ہو؟ تم اللہ کے قوانین کی حفاظت میں کیوں نہیں آجاتے تاکہ تمہاری نشوونما کا سامان بہم پہنچ جائے۔ (اور دونوں جہان کی کامیابیاں تمہارے قدم چومیں)۔ وہ (کم بخت) بولے کہ ہم تو تمہیں اور تمہارے ساتھیوں (ایمان لانے والوں) کو (اپنے لئے) منحوس سمجھتے ہیں (کہ تم نے خواہ مخواہ ہماری عیش و عشرت میں کھنڈت ڈال دی)۔ اس پر صالحؑ نے (جواب میں) کہا کہ تمہاری یہ نحوست خدا کے قانونِ مکافات کی وجہ سے ہے۔ تم وہ لوگ ہو جو (بہت جلد) عذابِ الٰہی میں مبتلا کئے جاؤ گے!

وہی دیوانگی کی تہمت

یہ نتائج و عواقب سے آگاہ کرتے اور وہ (معاذ اللہ) اُن کا مذاق اڑاتے۔ وہ کہتے کہ (خاکم بدہن) تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے جو اس طرح کی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ (۲۶/۱۵۳)

انہوں نے کہا کہ (اے صالح!) اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ تم پر جادو کر دیا گیا ہے!

انہیں تعجب اس بات پر تھا کہ یہ ایک ہمارے جیسا انسان دعوائے رسالت میں سچا کیسے ہو سکتا ہے؟

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (۲۶/۱۵۴)

انہوں نے کہا کہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم ہماری ہی طرح کے ایک انسان ہو (پھر تم رسول

کیسے ہو گئے؟) پس اگر تم سچے ہو تو (اپنے اس دعوے پر) کوئی نشانی (معجزہ) لاؤ!

ایک انسان رسول یعنی اُسی سازِ کہن کی صدائے بازگشت جسے ہم اُمم سابقہ کے احوال و کیفیات میں دیکھ چکے ہیں، یعنی ان سے کہا جاتا تھا کہ میں جس نظام کی طرف دعوت دیتا ہوں اسے عقل اور فکر کے معیار پر پرکھ کر دیکھو کہ اس میں بھلائیاں ہی بھلائیاں نظر آتی ہیں یا نہیں اور وہ اس کے جواب میں کہتے کہ ہم بھلا اپنے جیسے انسان کو خدا کا رسول کیسے مان لیں۔ اگر تم خدا کے رسول ہو تو ہمیں کوئی محیر العقول بات کر کے دکھاؤ۔

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ۝ (۵۴/۲۴)

تو انہوں نے کہا: کیا ہم ایسے آدمی کا اتباع کریں گے جو ہم ہی میں سے ہے اور اکیلا ہے۔ پھر تو ہم ایک (بڑی) گمراہی اور پاگل پن میں مبتلا ہوں گے۔

بشر کے ساتھ واحد کے ٹکڑے پر بھی غور کیجئے۔ چونکہ وہ نشۂ قوت میں بدمست تھے اس لئے یہ کہتے تھے کہ اگر کوئی ایسا شخص ہوتا جس کے ساتھ کوئی بہت بڑی جماعت ہوتی تو اس جماعت کی قوت سے ڈر کر ہم اس کی بات مان بھی لیتے۔ لیکن اب ہم اس کی بات کیوں مانیں جب یہ بالکل اکیلا ہے اور پھر جیسا کہ

سفاہت شریر النفس لوگوں کی افتاد ہے، وہ اصول سے ہٹ کر ذاتیات پر اُتر آتے ہیں اور حق و صداقت کی دعوت کا جواب گالیوں سے دیتے ہیں۔ قوم ثمود نے بھی یہی کیا۔ کہنے لگے۔

ءَاُلْقِیَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ۝ (۵۴/۲۵)

(اور دیکھو انہوں نے کہا) کیا ہم سب لوگوں کے درمیان سے (خدا کو ایک یہی ملا تھا کہ) اس پر وحی نازل کی گئی (ہرگز نہیں) بلکہ یہ بڑا ہی جھوٹا اور بہت ہی شیخی باز ہے۔

اُدھر سے یہ دریدہ دہنی اور اِدھر سے فقط جواب اتنا کہ

سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ۝ (۵۴/۲۶)

کل (ہی مکافاتِ عمل کے دن) وہ بہت جلد جان لیں گے کہ جھوٹا اور شیخی باز کون تھا۔

وہی اسلاف پرستی یہ اربابِ قوت و ثروت کا رویہ تھا۔ ان کے ساتھ مذہبی پیشوا آگے بڑھے اور انہوں نے یہ کہہ کر عوام کے جذبات کو مشتعل کرنا چاہا کہ یہ شخص تمہیں تمہارے بزرگوں کے مذہب سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے۔

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝ (۱۱/۶۲)

لوگوں نے کہا" اے صالح! پہلے تو تُو ایک ایسا آدمی تھا کہ ہم سب کی امیدیں تجھ سے وابستہ تھیں۔ (مگر یہ ایک دم تجھے کیا ہو گیا) کیا (اب) تو ہمیں اس سے بھی روکتا ہے کہ ہم ان کی عبودیت (محکومیت و اطاعت) اختیار کریں جن کی عبودیت (محکومیت و اطاعت) ہمارے باپ دادا اختیار کرتے چلے آئے ہیں۔ (یہ کیسی بات ہے؟) ہمیں تو اس بات میں بڑا ہی شک ہے جس کی طرف تم دعوت دیتے ہو کہ ہمارے دل میں اُترتی ہی نہیں۔

اس کے جواب میں حضرت صالحؑ نے کیا ارشاد فرمایا؟ وہی جو کورانہ تقلید کے مسلک کا صحیح جواب ہو سکتا ہے:

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ اٰتٰنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝ (۱۱/۶۳)

صالح نے کہا! اے میری قوم کے لوگو! کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک دلیلِ روشن پر ہوں اور اس نے اپنی رحمت (نبوت) مجھے عطا فرمائی ہو تو پھر کون ہے جو اللہ کے مقابلے میں میری مدد کرے گا اگر میں اس کے حکم سے سرتابی کروں؟ تم (اپنی بات منوا کر) مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے، تباہی کی طرف لے جانا چاہتے ہو۔

یعنی تم اپنے مسلک کی صحت کے ثبوت میں فقط یہ دلیل رکھتے ہو کہ یہ تمہارے آبا و اجداد سے متوارث چلا

لے یہاں ایک نکتہ اور بھی قابلِ غور ہے۔ یہ اقوام اپنے انبیائے کرامؑ کے متعلق بصد حسرت و یاس یہ کہتی ہیں کہ تم سے تو ہماری بڑی بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ یہ تمہیں کیا ہو گیا؟ اس سے واضح ہے کہ حضرات انبیائے کرامؑ اپنے دعوئے نبوت سے پیشتر اپنی اقوام میں ممتاز شخصیت کے مالک ہوتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ امتیاز ان کے کیرکٹر اور قابلیت کی بنا پر تھی۔ اس لئے پیغاماتِ الٰہیہ کے حاملین شروع ہی سے بلند سیرت و کردار کے مالک ہوتے تھے۔

آرہا ہے اور میرے پاس میرے اللہ کی عطا فرمودہ وہ قندیلِ فروزاں ہے جس کی روشنی میں حق و باطل الگ الگ دکھائی دیتے ہیں۔ پھر کیسے کہ میں ایسی شمع نورانی کو چھوڑ کر اندھوں کی لاٹھی کے پیچھے کس طرح چل پڑوں؟

پھر یہ بھی دیکھئے کہ ایک پیغمبر بھی اپنے آپ کو قوانینِ الٰہیہ کی معصیت کے انجام سے محفوظ خیال نہیں کرتا اور قانونِ مکافات کا تقاضا بھی یہی ہے۔ یہ ہے وہ ایمان جس پر نظامِ خداوندی کی ثریا بوس عمارت مستحکم ہوتی ہے، یعنی اس نظام میں سب سے برگزیدہ و بلند ترین ہستی بھی اپنے آپ کو قانونِ خداوندی کا مطیع و فرمانبردار سمجھتی اور اس کی خلاف ورزی سے خوف کھاتی ہے۔

خفیہ سازشیں اِدھر سے تذکیر و موعظت اور اُدھر سے تکذیب و تہدید ساتھ ساتھ بڑھتی گئی اور اس کے ساتھ ہی خفیہ سازشیں بھی، کہ اربابِ قوت و استبداد کے یہی حربے ہیں جو حق و صداقت کا گلا گھونٹنے کے لئے ہمیشہ استعمال کئے جاتے ہیں۔

وَ كَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝

(۴۸ ـ ۲۷/۴۹)

اور (دیکھو) شہر میں نو آدمی تھے جو (ہمیشہ) ملک میں فساد برپا کرتے رہتے تھے اور (کبھی) اصلاح (کا خیال) نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے (آپس میں مشورہ کیا اور) کہا کہ ایک دوسرے کے سامنے خدا کی قسمیں کھالو کہ ہم رات کو اس پر اور اس کے گھر والوں پر یکبارگی حملہ (کر کے) انہیں قتل کر دیں گے اور) پھر (جب پوچھ گچھ ہوگی تو) ہم اس کے وارثوں سے کہہ دیں گے کہ ہم اس کے خاندان کی ہلاکت کے وقت موجود نہیں تھے (نہ ہمیں اس بارے میں کوئی خبر ہے) اور ہم (اپنے اس بیان میں بالکل) سچے ہیں!

ایک اہم نکتہ اس مقام پر ذرا رُکئے اور ایک اہم حقیقت پر غور کیجئے۔ یہاں کہا گیا ہے کہ ان لوگوں نے کہا کہ "تم اللہ کی قسم اٹھاؤ"۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ لوگ اللہ پر ایمان رکھتے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ دین جب بگڑ کر مذہب کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو

اس میں خدا پر ایمان تو ہوتا ہے لیکن اس خدا کا تصور وہ نہیں رہتا جو دین نے عطا کیا تھا۔ اُن لوگوں کی حالت یہ تھی کہ وہ خدا پر ایمان رکھنے کے مدعی تھے، لیکن رزق کے سرچشموں کو اپنی ذاتی ملکیت میں لئے ہوئے تھے۔ حضرت صالحؑ انہیں جو خدا کی طرف دعوت دیتے تھے تو اس سے مراد یہ تھی کہ اُن کا اپنے تصور کے مطابق خدا پر ایمان، ایمان نہیں تھا۔ خدا پر ایمان کے معنی یہ تھے کہ حکومت صرف اس کے قوانین کی کی جائے اور رزق کے سرچشموں کا مالک بھی اس کو سمجھا جائے۔ یہ ہے فرق "مذہب" میں خدا پر ایمان اور "دین" میں خدا پر ایمان ہیں! (تفصیل اس کی "اسلام کیا ہے" میں ملے گی)۔

اب آگے بڑھئے۔ اس قوم کے مفسدین خفیہ سازش کر رہے تھے کہ حضرت صالحؑ اور ان کے ساتھیوں کو چپکے سے قتل کر دیا جائے۔ ان خفیہ تدابیر کا جواب لوحِ مکافات کی پیشانی پر ایک ہلکی سی ہنسی کے آثار کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ حضرت صالحؑ نے انہیں بار بار آگاہ کیا لیکن انہیں نہ ماننا تھا نہ مانے۔ حتّٰی کہ ان لوگوں نے، جو آنکھیں بند کئے ہلاکت و بربادی کے جہنّم کی طرف بڑھے جا رہے تھے، علانیہ کہنا شروع کر دیا کہ جاؤ اس عذاب کو لے آؤ جس کی یوں دھمکی دیتے چلے آ رہے ہو!

وَ قَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ (۷/۷۷)

انہوں نے کہا "اے صالح! اگر تم واقعی پیغمبروں میں سے ہو، تو اب وہ بات ہم پر لا دکھاؤ جس کا تم نے ہمیں خوف دلایا تھا۔

ناقۂ صالحؑ

انسان بھی کس قدر خود شکن واقع ہوا ہے! اپنی ہلاکت کو بُلا بُلا کر گھر دکھاتا ہے۔ ان کی پاداشِ عمل کا وقت آ پہنچا تھا۔ مہلت کی معیاد ختم ہو چکی تھی۔ لیکن آخری حجّت کے طور پر حضرت صالحؑ نے کہا کہ دیکھو یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ تم حکامِ خداوندی کا احترام کرنا چاہتے ہو، ایک محسوس چیز تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمیں کھول کر بات نہیں بتائی گئی۔

حضرت صالحؑ نے جس محسوس شے کو بطور فیصلہ پیش کیا اس تک آنے سے پہلے یہ دیکھ لیجئے کہ مابہ النّزاع بات کیا تھی۔ اُس زمانہ میں مویشی اور چراگاہیں، چشمے اور کھیت، سب سے بڑی دولت ہوتے تھے۔ اربابِ اقتدار کی حالت یہ تھی کہ وہ چراگاہوں اور چشموں کو اپنے مویشیوں کے لئے مخصوص

کر لیتے تھے اور کمزور انسانوں کے جانور بھوکوں مر جاتے تھے۔ حضرت صالحؑ کا پیغام یہ تھا کہ یہ چشمے اور چراگاہیں ربوبیتِ عامہ کے لئے خدا کی طرف سے مُفت ملے ہیں اس لئے انہیں تمام انسانوں کے لئے یکساں طور پر کھلا رہنا چاہیئے۔ وہ اس کی مخالفت کرتے تھے۔ بالآخر انہوں نے اس کا اقرار کیا کہ ہم سب کے جانوروں کو یکساں طور پر چراگاہوں میں چرنے اور چشموں سے پانی پینے کی اجازت دیتے ہیں۔ حضرت صالحؑ نے کہا کہ اس کا عملی طریق یہ ہے کہ مختلف لوگوں کے جانوروں کی باریاں باندھ دی جائیں تاکہ نہ کسی پر زیادتی ہو نہ کسی کے حقوق میں کمی۔ انہوں نے اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا تو آپ نے کہا کہ اس بات کا عملی ثبوت (کہ تم اس معاہدہ کا احترام کرتے ہو یا نہیں) یہ ہے کہ یہ ایک اونٹنی ہے جس کے متعلق یوں سمجھو کہ یہ کسی کی ملکیت نہیں۔ خدا کی زمین اور خدا کی اونٹنی۔ اسے میں اس کی باری کے لئے چھوڑتا ہوں۔ اگر تم نے اُسے آزاد چرنے دیا تو سمجھا جائے گا کہ تمہارے قلوب قانونِ خداوندی کے احترام کی طرف مائل ہیں۔ اگر تم نے اسے ایذا پہنچائی تو وہ اس امر کی دلیل ہوگی کہ تم اپنی روش پر قائم ہو۔ فرمایا۔

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ[1] وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (۷/۷۳ نیز ۱۱/۶۴)

یہ "خدا کی اونٹنی" تمہارے لئے ایک (فیصلہ کُن) نشانی ہے۔ پس اسے کھلا چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں جہاں چاہے چرے۔ اسے کسی طرح کا نقصان نہ پہنچاؤ ورنہ عذابِ جانکاہ تمہیں آپکڑے گا۔

اِس ناقہ کے لئے پانی پینے کی باری ٹھہرادی۔

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۚ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ (۲۶/۱۵۵-۱۵۶)

(اور دیکھو) صالح نے کہا کہ یہ ایک اونٹنی ہے۔ پانی پینے کے لئے ایک اس کی باری ہے اور ایک مقررہ دن میں تمہاری (یعنی تمہارے جانوروں کی) باری ہے۔ اسے کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچانا (ورنہ یاد رکھو) پھر تمہیں ایک بڑے دن (یومِ مکافاتِ عمل) کا عذاب آپکڑے گا۔

---

[1] "خدا کی اونٹنی اور خدا کی زمین"۔ بس یہ ہے دین کے معاشی نظام کا نقطۂ ماسکہ۔ نبیٔ اکرمؐ کے ارشادِ گرامی کے مطابق ــ "اللہ کی زمین اللہ کے بندوں کے لئے"۔

ان تمام حدود و شرائط سے مقصود فقط یہ دیکھنا تھا کہ وہ احکام الٰہیہ کے احترام کا جذبہ اپنے دل میں رکھتے ہیں یا نہیں۔

اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ۝ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۝ (۵۴/۲۷-۲۸)

(اور دیکھ اے صالح!) ہم اس اونٹنی کو آزمائش بنا کر بھیج رہے ہیں لہٰذا تو اُن کا نگران رہ اور استقامت سے کام لے اور انہیں بتا دے کہ پانی کی ان کے درمیان تقسیم ہے (یہ اونٹنی اپنی باری پر پانی پیئے گی اور ان کے جانور اپنی باری پر) تو (اپنی اپنی) باری پر ہر باری والا حاضر ہوا کرے گا۔

اسی لئے اس اونٹنی کو ایک کھلی ہوئی نشانی کہا گیا ہے کہ اس سے ان کی قلبی کیفیات و رجحانات محسوس و مشہود طریق کے نقاب ہو سکتے تھے۔

وَ اٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝ (۱۷/۵۹)

اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی کہ ایک آشکارا نشانی تھی۔ لیکن انہوں نے اس پر ظلم کیا (اور نشانی سے عبرت نہ پکڑی) اور ہم نشانیاں تو صرف اس لئے متعین کرتے ہیں کہ لوگ (انکار و سرکشی کے نتائج سے) ڈریں۔

کھلی ہوئی سرکشی

کرنے کو تو ان لوگوں نے معاہدہ کر لیا تھا لیکن سرمایہ پرستی اور اقتدار خواہی کی لذت اتنی آسانی سے چھوٹا نہیں کرتی۔ اس لئے انہوں نے اپنے قول و اقرار کی ذرا بھی پرواہ نہ کی اور اونٹنی کو ہلاک کر دیا۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَ قَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (۷/۷۷)

غرضکہ انہوں نے اونٹنی کو کاٹ ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی۔ انہوں نے کہا، اے صالح! اگر تم واقعی پیغمبروں میں سے ہو، تو اب وہ بات ہم پر لا دکھاؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو!

اونٹنی کو کسی نے یونہی اتفاقیہ زخمی نہیں کیا، بلکہ ان سرکشی کرنے والوں نے خاص اہتمام سے اپنے سرغنہ کو بُلایا اور اُس نے بھرپور ہاتھ سے اُسے ہلاک کیا۔

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ۝ (۵۴/۲۹)

چنانچہ اُنہوں نے اپنے ساتھی کو پکارا (بلایا) پس اُس نے (اونٹنی پر بھرپور) وار کیا اور ہلاک کر ڈالا!

ہلاک کرنے کو تو کر گئے، لیکن جب اس کا احساس بیدار ہوا کہ ہم نے کس قدر پختہ عہد کیا تھا اور اب اس سے کس طرح بیدردی سے پھر گئے ہیں، تو دل میں ارتعاش پیدا ہوا۔

فَعَقَرُوهَا فَأَصْبَحُوا نَادِمِينَ ۝ (۲۶/۱۵۷)

غرضکہ انہوں نے اُس (اونٹنی) کو ہلاک کر ڈالا۔ (مگر پھر بعد میں) نادم ہوئے۔

چنانچہ وقت گذرتا گیا اور اس قوم کی سرکشی بڑھتی چلی گئی۔ ان کا معمول یہ ہو گیا کہ حضرت صالحؑ نے جو کچھ کہا انہوں نے اس کی تکذیب کی اور اس سے برعکس سمت کو چلے۔ چنانچہ حضرت صالحؑ نے آخر میں کہا کہ آتش فشاں پہاڑ تمہارے سر پر کھڑا ہے۔ یہ پھٹا چاہتا ہے۔ اس سے بچ نکلنے کا سامان کرو۔ لیکن انہوں نے حسبِ معمول اس کا بھی مذاق اڑایا۔

فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۖ ذَٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ (۱۱/۶۵)

صالح نے کہا "تم تین دن تک اپنے گھروں میں کھا پی لو۔ یہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہ نکلے گا۔

غور کیجئے، انہیں تین دن پہلے بتایا جاتا ہے کہ اب تمہاری تباہی کے اسباب پیدا ہو رہے ہیں۔ لیکن وہ چونکہ ان کی ہر بات کو جھٹلاتے تھے اس لئے انہوں نے اس وعید کا بھی مذاق اڑایا اور آنے والی تباہی کی کوئی پرواہ نہ کی۔[1]

---

[1] یہی ہے وہ چیز جسے ہم تذکرۂ حضرت نوحؑ کے ضمن میں بہ صراحت لکھ چکے ہیں کہ ہوتا صرف اس قدر تھا کہ ان حوادث کے متعلق حضرات انبیائے کرامؑ کو قبل از وقت معلوم ہو جاتا تھا۔ (خواہ فراست کی بنا پر یا وحیٔ خداوندی کی رُو سے) وہ اپنے اس علم کو چھپا کر نہیں رکھتے تھے بلکہ اس کا اعلان کر دیتے تھے۔ لیکن چونکہ قوم ان کی ہر بات کا مذاق اڑاتی تھی اس لئے ان کے اس اعلان کو بھی سنجیدگی سے (SERIOUSLY) نہیں لیتی تھی اور اپنی حفاظت کا سامان نہیں کرتی تھی اس لئے تباہ ہو جاتی تھی۔

اس کے بعد؟

اس کے بعد وہ کچھ ہوا جس کے تصور سے آج بھی ہر قلبِ سلیم سینے میں دھڑکنے لگ جاتے اور ہر دیدۂ عبرت چشم حیران بن جاتے. اُن آگ سے بھرے ہوئے (آتش فشاں) پہاڑوں میں ایک دھماکا ہوا جس سے ایک چیخ، ایک گرج، ایک کڑک کی آواز فضا میں گونجی اور قومِ ثمود کی بستیاں راکھ کا ڈھیر ہو کر رہ گئیں.

ہلاکت انگیز عذاب!

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ○ (۷/۷۸)

پھر ایسا ہوا کہ لرزا دینے والی ہولناکی نے انھیں آ لیا اور جب ان پر صبح ہوئی تو گھروں میں اوندھے مُنہ پڑے تھے.

یہاں اس عذاب کو ایک لرزہ انگیز دہشت سے تعبیر کیا گیا ہے. دوسری جگہ اسے زور کی کڑک سے موسوم کیا گیا ہے.

وَ اَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۙ
كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا
بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۧ (۱۱/۶۷-۶۸) نیز (۱۵/۸۳-۸۴) نیز (۴۱/۱۷) نیز (۵۴/۲۹-۳۱)

اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا، ان کا حال یہ ہوا کہ ایک زور کی کڑک نے آ لیا. جب صبح ہوئی تو سب اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے. (وہ اس طرح اچانک مر گئے) گویا ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے! تو سُن رکھو کہ ثمود نے اپنے پروردگار کے قانون سے انکار کیا اور ہاں سُن رکھو کہ ثمود کے لئے محرومی ہوئی!

اللہ کی تدبیر

قومِ ثمود نے حضرت صالحؑ کے خلاف ایک خفیہ تدبیر کی تھی وہ تو ناکام و نامراد رہی اور قانونِ مکافات کی وہ خُفیہ تدبیر جو یوں اُن کے پاؤں کے نیچے نیچے پختگی کو پہنچ رہی تھی، اس طرح اُبھری کہ کوئی اُبھرنے والا سامنے نہ رہا.

وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَ قَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○
فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (۵۰ - ۲۷/۵۲)

اور (دیکھو) ایک خفیہ تدبیر انہوں نے کی تھی اور ایک خفیہ تدبیر ہم نے کی اور انہیں اس کا کوئی احساس و شعور تک نہیں تھا۔ پس ذرا غور تو کرو کہ ان کی خفیہ تدبیر کا انجام کیسا رہا (یہی رہا نا!) کہ ہم نے انہیں اور اُن کی (پوری) قوم کو سب کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ چنانچہ (آج) اُن کے مکانات خود ان کے ظلم (انکار و بدعملی) کی وجہ سے (بالکل) ویران پڑے ہوئے ہیں۔ ان واقعات میں بلاشبہ ان لوگوں کے لئے جو حقیقت کا علم رکھتے ہوں (عبرت و موعظت کی بڑی) نشانی ہے۔

وہ اس ہلاکت و تباہی کے خوفناک طوفانِ آتشیں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے لیکن اتنے عاجز و بے بس تھے کہ اپنی حفاظت کا کوئی سامان نہ کر سکے اور اس آفتِ جہاں سوز سے راکھ کا ڈھیر ہو کر رہ گئے۔

وَ فِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ۝ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّ مَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ۝ (۴۳ - ۵۱/۴۵)

اور (تمہارے لئے اے پیروانِ دعوتِ اسلامی!) ثمود (کے حالات) میں عبرت ہے۔ جب اُن سے کہہ دیا گیا کہ (تمہارے لئے کچھ مدت تک مہلت ہے۔ چنانچہ) وقتِ معین تک کھا پی لو۔ چنانچہ (وہ اپنے انکار و بدعملی سے باز نہ آئے اور) انہوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی اختیار کی۔ بالآخر انہیں ایک کڑک نے آپکڑا۔ حالت یہ تھی کہ وہ (یہ سب کچھ) دیکھ رہے تھے (مگر کچھ نہ کر سکتے تھے) اُنہیں کھڑا ہونے کی بھی طاقت نہیں تھی اور نہ وہ اپنا بچاؤ کر سکتے تھے[1]

ہلاکت اور ایسی ہلاکت! تباہی اور اس قدر تباہی!!

---

[1] ظاہر ہے کہ جب حضرت صالحؑ نے انہیں قبل از وقت آگاہ کر دیا تھا تو اگر وہ ان کی بات کو درخورِ اعتنا سمجھتے اور وہاں سے نکل جاتے تو اس تباہی سے محفوظ رہتے۔ حضرت صالحؑ اور ان کی جماعت اسی طرح اس تباہی سے محفوظ رہی تھی کہ وہ قبل از وقت وہاں سے نقل مکانی کر گئے تھے۔

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۝
وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ۝ (۳۸-۲۵/۳۹)

اور عاد کو اور ثمود کو اور اصحاب الرّس کو اور ان کے درمیان میں بہت سی اُمتوں کو ہم نے تباہ کر دیا۔ (اُمم مذکورہ میں سے) ہر ایک (کی ہدایت) کے واسطے عجیب عجیب (یعنی مؤثر اور بلیغ) مثالیں بیان کیں (مگر انہوں نے ان سے کوئی اثر نہ لیا اور (جب مکافاتِ عمل کا وقت آپہنچا، تو) ہم نے ہر ایک کو بالکل ہی برباد کر دیا۔

بھلا قانونِ مکافات کی گرفت سے کوئی چھوٹ سکتا ہے!

وَثَمُوْدَا فَمَآ اَبْقٰى ۝ (۵۳/۵۱) نیز (۶۹/۵)

اور (دیکھو، تمہارے پروردگار نے) ثمود کو بھی تباہ کر دیا۔ چنانچہ اسے (صفحۂ ہستی پر) باقی نہیں رکھا۔

یہ تھا عذاب جو آج بھی ہر سننے والے کے لئے وجہ ہزار عبرت و موعظت ہے۔

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ (۲۶/۱۵۸-۱۵۹)

چنانچہ (دیکھو) انہیں قانونِ مکافات کے عذاب نے آپکڑا۔ بلاشبہ اس واقعہ میں (نصیحت اور عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے ایک بڑی) نشانی ہے اور (بات یہ تھی کہ) ان میں سے اکثر (معاندانہ انکار اور ضد کی وجہ سے قبولِ حق کی صلاحیت کو کھو چکے تھے اور) ایمان لانے والے نہیں تھے (چنانچہ وہ تباہ ہو گئے)۔ بے شک تیرا رب عزیز اور رحیم ہے۔

یہاں آیت کے اخیر میں، خدا کے "عزیز و رحیم" ہونے کا ذکر خاص طور پر آیا ہے۔ عزیز تو صاحبِ غلبہ کو کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل سے بڑھ کر غلبہ و اقتدار کس کا ہو سکتا ہے؟ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ ایسا کرنا خدا کی صفتِ رحیمیت کا بھی تقاضا تھا۔ یہ نکتہ غور طلب ہے۔ ان کی ہلاکت، رحمتِ خداوندی کا تقاضا اس لئے تھی کہ خدا نے تمام نوعِ انسانی کی پرورش کے لئے سامانِ رزق کو سطحِ ارض پر بکھیر رکھا ہے۔ لیکن مستبد قوتیں انہیں اپنے قبضے میں لے لیتی ہیں اور مخلوقِ خدا بھوکوں مرتی رہتی ہے۔ ان لوگوں کو ہزار سمجھایا بجھایا گیا کہ وہ دوسرے لوگوں کو اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے محروم نہ

کریں۔ لیکن انہوں نے ایک نہ مانی۔ اب اس کے بعد دو ہی صورتیں باقی تھیں۔ یا تو ان لوگوں کو اسی طرح چھوڑ دیا جاتا اور باقی انسانوں کو تباہ و برباد ہونے دیا جاتا اور یا ان لوگوں کو راستے سے ہٹا کر عام انسانوں کو رزق کے سرچشموں تک پہنچنے دیا جاتا۔ رحمتِ خداوندی (خدا کی ربوبیتِ عامہ کی اسکیم) کا تقاضا یہی تھا کہ ان مستبد قوتوں کو راستے سے ہٹا کر رزق کو عام کر دیا جائے

سورۂ الشمس میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۝ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝ (۹۱/۱۱-۱۵)

(اور دیکھو) قومِ ثمود نے اپنی سرکشی کے ساتھ سچائی کو جھٹلایا۔ جب اُن کا بدبخت ترین (سرغنہ) کھڑا ہوا تو اللہ کے رسول نے (آخری اتمامِ حجت کے طور پر) خدا کے نام پر چھوڑی ہوئی اونٹنی اور اُس کے پانی پینے (کی باری) کے متعلق کہا۔ چنانچہ انہوں نے رسول کو جھٹلایا اور اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا۔ بالآخر اُن کے جرائم کی وجہ سے اُن کے پروردگار نے اُن پر تباہی بھیجدی (اور ایسی تباہی بھیجی کہ) انہیں (تہس نہس کر کے زمین کے) ساتھ ہموار کر دیا اور (خدا جو کچھ کرتا ہے ٹھیک کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اس کا قانونِ مکافات کسی کو پکڑتا ہے تو خدا اس خیال سے قطعاً نہیں گھبراتا کہ اس کے بعد کیا ہوگا؟

قانونِ مکافات کی ہمہ گیری

آپ آخری آیت پر غور فرمائیے اور دیکھئے کہ اس میں خدائے کائنات کی سطوت و جبروت اور اس کے قانون کی ہمہ گیری و نفاذ پذیری کس شوکت و اجلال سے ہیبت فگن اور لرزہ انگیز ہے۔ اس کے ساتھ ہی بِذَنْۢبِهِمْ کا ٹکڑا اُبھر اُبھر کر گواہی دے رہا ہے کہ یہ شانِ جبروت و کبریائی (معاذ اللہ) ایک مستبد و مطلق العنان بادشاہ کی لاپرواہی اور بدمستی کی مظہر نہیں بلکہ اس قوت و اقتدار کی آئینہ دار ہے جس کی رُو سے نظامِ کائنات اس نظم و ضبط اور عدل و انصاف سے چل رہا ہے جس میں ایک ذرۂ بے مقدار سے لے کر عظیم الشان کرّوں تک ذرا سی خلاف ورزی احکام کی مجال نہیں رکھتے۔ اور جب اس کے نظامِ عدل کی یہ کیفیت ہے تو انسانی اعمال قانونِ جزا و سزا کی گرفت سے کب باہر جا سکتے ہیں؟ اور جب اس قانون کے ماتحت اس کا فیصلہ نافذ

ہوتا ہے تو اس پر کسی قسم کے جذبات اثر انداز نہیں ہو سکتے کہ وہ جہاں رحمٰن و رحیم ہے وہاں مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بھی ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ذرا اس پردۂ ساز کو اُٹھا کر دیکھا جائے تو اس کا مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (قانونِ مکافاتِ عمل کا حاکمِ مطلق) ہونا بھی دراصل اس کی رحمت ہی کا ایک شائبہ ہے کہ اگر قانونِ مکافات اس طرح بے لوث طریق پر نافذ العمل نہ ہو تو کائنات میں فساد برپا ہو جائے۔ لہٰذا وَ لَا يَخَافُ عُقْبٰهَا وہ محورِ عظیم ہے جس کے گرد تمام نظامِ کائنات گردش کر رہا ہے، خارجی کائنات بھی اور خود انسانوں کا معاشرتی اور اجتماعی نظام بھی جس کا فیصلہ عدل اور رحمتِ عامہ کے تقاضوں کے مطابق ہو، اسے اپنے فیصلے کے عواقب سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

جماعتِ مؤمنین کو بچا لیا گیا

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ان لوگوں سے تین دن پہلے کہہ دیا گیا تھا کہ ہلاکت بہت قریب آ رہی ہے، یعنی حضرت صالحؑ کو اس آنے والے حادثہ کا علم پہلے دے دیا گیا تھا۔ چنانچہ حضرت صالحؑ اپنی جماعتِ مومنین کو ساتھ لے کر ان لوگوں سے کنارہ کش ہو کر کسی محفوظ مقام کی طرف چلے گئے۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ (۷/۷۹)

پھر صالح اُن سے کنارہ کش ہو گیا، یہ کہتے ہوئے کہ "اے میری قوم کے لوگو! میں نے اپنے پروردگار کا پیغام تمہیں پہنچایا اور نصیحت کی، مگر (افسوس تم پر!) تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

دوسرے مقام پر ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ مِنْ خِزْيِ يَوْمَئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ (۱۱/۶۶)

پھر جب ہماری (ٹھہرائی ہوئی) بات کا وقت آ پہنچا، تو ہم نے صالح کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے، اپنی رحمت سے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے محفوظ رکھا۔ (اے پیغمبر!) بلاشبہ تیرا پروردگار ہی ہے جو قوت والا اور سب پر غالب ہے۔

اس لئے کہ وہ مومنین و متقین کی جماعت تھی۔

وَ اَنۡجَیۡنَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ کَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ۝ (۲۷/۵۳ نیز ۴۱/۱۸)

اور (دیکھو) ہم نے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے تھے ہلاکت سے محفوظ رکھا اور (حقیقت یہ ہے کہ) وہ تھے بھی متقی (اس لئے اس کے مستحق تھے!)۔

ان بقایائے ثمود سے جو نسل آگے بڑھی انہیں ثمودِ ثانیہ کہا جاتا ہے۔

یہ ہے قومِ ثمود کی داستانِ عبرت انگیز جو صاحبِ علم و بصیرت کے لئے اپنے اندر سامانِ عبرت رکھتی ہے اور جن کی اُجڑی ہوئی بستیاں ہر رہ گذر سے پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ؎

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو!

فَتِلۡکَ بُیُوۡتُہُمۡ خَاوِیَۃًۢ بِمَا ظَلَمُوۡا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ۝ (۲۷/۵۲)۔

چنانچہ یہ ان کے مکانات ویران پڑے ہیں۔ بلاشبہ (اُن کی) اس (عبرت انگیز تباہی) میں اُن لوگوں کے لئے جو حقیقت کا علم رکھتے ہیں (بڑی) نشانی ہے۔

اسی داستان کو قرآنِ کریم نے بغیر نام لئے سورۂ المؤمنون کی چند آیات میں یوں سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ قومِ نوحؑ کی غرقابی کے بعد ارشاد ہے۔

ثُمَّ اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِیۡنَ ۝..... ثُمَّ اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ قُرُوۡنًا اٰخَرِیۡنَ ۝ؕ (۳۱ — ۲۳/۴۲)

پھر ہم نے قومِ نوح کے بعد قوموں کا ایک دوسرا دور پیدا کر دیا۔ ان میں بھی اپنا رسول بھیجا جو خود انہی میں سے تھا (اس کی دعوت بھی یہی تھی) کہ "اللہ ہی کی عبودیت (محکومیت و اطاعت) اختیار کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی اِلٰہ نہیں۔ کیا تم (انکار و فساد کے نتائج بد سے) ڈرتے نہیں۔ اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی اور آخرت کے پیش آنے سے منکر تھے اور جنہیں دنیا کی زندگی میں ہم نے آسودگی دے رکھی تھی (لوگوں سے) کہنے لگے اس سے زیادہ اس کی کیا حیثیت ہے کہ تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہے۔ جو کچھ تم کھاتے ہو یہ بھی کھاتا

ہے۔ جو کچھ تم پیتے ہو یہ بھی پینا ہے۔ اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک آدمی کی اطاعت کر لی تو بس سمجھ لو تم تباہ ہوئے۔ تم سنتے ہو یہ کیا کہتا ہے؟ یہ تمہیں امید دلاتا ہے کہ جب مرنے کے بعد محض مٹی اور ہڈیوں کا چورا ہو جاؤ گے، تو پھر تمہیں موت سے نکالا جائے گا۔ کیسی اَن ہونی بات ہے جس کی تمہیں توقع دلاتا ہے! (بھلا دوبارہ زندہ ہونا کیسا؟) زندگی تو بس یہی زندگی ہے جو دنیا میں ہم بسر کرتے ہیں۔ یہیں مرتے ہیں، یہیں جینا ہے۔ ایسا کبھی ہونے والا نہیں کہ مر کر پھر جی اُٹھیں۔ کچھ نہیں، یہ ایک مفتری ہے جس نے اللہ کے نام سے جھوٹ موٹ بات بنا دی۔ ہم کبھی اس کی بات ماننے والے نہیں! اس پر رسول نے کہا" خدایا! انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے۔ پس تو میری مدد کر! حکم ہوا، عنقریب ایسا ہونے والا ہے کہ یہ اپنے کئے پر شرمسار ہوں گے" چنانچہ فی الحقیقت ایک ہولناک آواز نے انہیں آپکڑا، اور ہم نے خس و خاشاک کی طرح اُنہیں پامال کر دیا۔ تو محرومی ہو اس گروہ کے لئے کہ ظلم کرنے والا ہے! پھر ہم نے ان کے بعد قوموں کے اور بہت سے دَور پیدا کئے۔

اور اس کے بعد وہ نقطۂ ماسکہ جو قوموں کی موت وحیات کے لئے ایک اٹل قانون کی حیثیت سے لئے ہوئے ہے یعنی

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَ مَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝ (۲۳/۴۳)

کوئی قوم اپنے مقررہ وقت سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے رہ سکتی ہے۔

یہ وقتِ معیّن (اجل) کسی قوم کے اجتماعی اعمال کے ظہورِ نتائج کا نام ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو ظلم اور زیادتی سے ہلاک نہیں کرتا۔ یہ ہلاکت ان کے اپنے ہاتھوں کی پیدا کردہ ہوتی ہے۔

وَ مَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ۝ (۱۱/۱۱۷)

اور تیرا ربّ ایسا نہیں کہ بستیوں کو (یونہی) ظلم سے ہلاک کر دے درآنحالیکہ ان کے رہنے والے (باقی رہنے کی) صلاحیت رکھتے ہوں۔

سورۃ المومنون کی مندرجہ صدر آیات کو ایک بار پھر سامنے لائیے۔ ان میں کہا گیا ہے کہ وہ لوگ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو قوم صرف اس زندگی کو آخری زندگی سمجھے وہ کبھی اپنی عیش سامانیوں کو چھوڑ کر نوعِ انسانی کی پرورش کے لئے جدوجہد کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتی۔

اس کے لئے تو صرف وہی آمادہ ہو سکتا ہے جو یہ سمجھے کہ زندگی کو مسلسل آگے چلنا ہے! اور اگلی زندگی میں خوشگواریوں کا معیار یہ ہے کہ اس زندگی میں دوسروں کی پرورش کے لئے کیا کیا ہے؟ یہ وجہ ہے کہ قرآن سرمایہ پرستی کے خون آشام نظام کو مٹانے کے لئے ایمان بالآخرۃ کو بنیادی تصوّر قرار دیتا ہے۔

رسولؐ اجرِ رسالت نہیں مانگتا

قومِ ثمود کا قصہ یہیں تک ہے ..... لیکن دو ایک مقامات ایسے ہیں جن پر آگے بڑھنے سے پیشتر مزید غور و تفکّر کی ضرورت ہے۔ آپ نے حضرت نوحؑ اور حضرت ہودؑ کے تذکرہ میں دیکھا ہو گا کہ قرآنِ کریم نے ان حضرات کا یہ قول خصوصیت سے درج کیا ہے کہ "میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر اللہ کے ہاں ہے" حضرت صالحؑ کے تذکرہ میں بھی اس چیز کو دہرایا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

وَ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ

(۲۶/۱۴۵)

اور میں تم سے (اپنی) اس (رہنمائی و ہدایت) پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو صرف تمام جہانوں کے پالنے والے ہی کے ذمہ ہے (اور بس)۔

یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے جس کا قرآنِ کریم نے یوں بتکرار ذکر کیا ہے۔ ایک داعیِ الی الحق کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی دعوتِ رشد و ہدایت کا معاوضہ کچھ نہیں چاہتا۔ اس کے نزدیک تبلیغِ پیاماتِ الٰہیہ اور قیامِ نظامِ خداوندی کے لئے جدّ و جہد ایک اہم فریضہ ہے جس کی ادائیگی اس پر لازم آتی ہے۔ اس لئے وہ انسانوں سے اس کا کوئی اجر یا معاوضہ نہیں مانگتا۔ اور یہ اس داعیِ الی الحق کے عدیم النظیر کیرکٹر کی درخشندگی کی دلیل ہے۔ واضح رہے کہ دنیا میں معاوضہ صرف روپیہ کی شکل میں ہی نہیں ہوا کرتا۔ ذرا علم و فضل کی مسندوں، زہد و تقویٰ کے آستانوں اور رہبرانِ ملّت کی بارگاہوں پر ایک سرسری نگاہ ڈالو اور دیکھو کہ کس قدر متنوّع شکلیں ہیں جن میں اپنی "بے لوث" خدمات کا معاوضہ طلب کیا جاتا ہے! نذرانہ نہیں تو مخدومیت اور طاعت! اور اطاعت بھی اکثر اوقات پرستش کی حد تک، کبرِ نفس کے تقاضوں کی تسکین۔ اَنَا الْمَوْجُوْد دلاغیری کے بلند آہنگ دعادی، تنقید کی حد سے ماورائیت اور کم از کم نام کی شہرت، جھوٹی عزت! اور ان تمام داعیات و اقتضایات کے باوجود بلا مُزد و معاوضہ خدمت کا دعوےٰ! کتنا

بڑا فریب ہے جو اپنے آپ کو اور دوسروں کو دیا جاتا ہے۔ لیکن ایک حق و صداقت کے داعی کی روش ان سب سے الگ ہوتی ہے۔ اس کا ہر قدم "اللہ کے لئے" اٹھتا ہے۔ اس کا سب سے پہلا اعلان یہ ہوتا ہے کہ

قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ (۶/۱۶۲)

(اے پیغمبرِ اسلام!) تم کہہ دو میری صلوٰۃ اور میرے فرائض زندگی اور ان کے ادا کرنے کے طور طریقے، میرا جینا، میرا مرنا سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہان کا پروردگار ہے!

یاد رکھئے! دنیا میں کوئی اقدام خلوص و صداقت پر مبنی نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اس کا جذبۂ محرکہ خالص للّٰہیت نہ ہو، یعنی اس کے صلہ میں محسوس معاوضہ تو ایک طرف، اس قسم کے غیر محسوس رجحاناتِ قلبی و ذہنی کو بھی دخل نہ ہو۔ کام کو اپنا فرض سمجھ کر انجام دیا جائے اور اس پر یقین رکھا جائے کہ جو کام قانونِ خداوندی کے مطابق کیا جائے اس کا معاوضہ اس کے نتائج ہوتے ہیں جو خود اس کے اندر مضمر ہوتے ہیں۔ اسی کا نام ہے

اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ

ناقۃ اللہ

دوسری چیز یہ کہ اس اونٹنی کو جس کا ذکر قصۂ حضرت صالحؑ میں آیا ہے، ناقۃ اللہ سے موسوم اور آیت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (۷/۷۳)

یہ خدا کی اونٹنی تمہارے لئے ایک (فیصلہ کن) نشانی ہے۔ پس اسے کھلا چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں جہاں چاہے چرلے۔ اسے کسی طرح کا نقصان نہ پہنچاؤ کہ (اس کی پاداش میں) عذابِ جاں کاہ تمہیں آپکڑے۔

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اس اونٹنی کو ناقۃ اللہ کیوں کہا گیا تھا اور وہ کس بات کی نشانی تھی۔ اس حقیقت کو اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ اونٹنی، عام اونٹنیوں جیسی اونٹنی تھی۔ قرآن نے کہیں یہ نہیں کہا کہ اس کی تخلیق غیر معمولی انداز سے بطور خرقِ عادت ہوئی تھی۔ محض آیت کے لفظ سے یہ سمجھ لینا کہ اس کی پیدائش معجزانہ طور پر ہوئی تھی، قرآن کے اسلوبِ بیان اور حقیقی تعلیم سے بیگانگی کی دلیل ہے۔ قرآن نے کشتیٔ حضرت

نوحؑ کے متعلق بھی فرمایا کہ وہ آیت (نشانی) تھی

فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَ جَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (۲۹/۱۵)

الغرض ہم نے نوح کو اور (اُس کے ساتھی) کشتی والوں کو (اُس عذابِ غرق سے) محفوظ رکھا اور ہم نے اس کشتی کو جہان (والوں) کے لئے ایک نشانی بنا دیا تھا۔

حالانکہ وہ عام طریقہ کے مطابق ہی تیار ہوئی تھی۔ خانہ کعبہ کے متعلق بھی فرمایا ہے کہ

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ (۳/۹۷)

اس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں۔

کعبہ بھی آیت ہے اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ خدا کے اس گھر کی تعمیر میں بھی کسی خرقِ عادت واقعہ کا دخل نہ تھا۔ معمارِ حرم (علیہ السلام) نے اس کی تعمیر اسی طرح کی تھی جس طرح اور مکانوں کی کی جاتی ہے۔ لیکن وہ ملّتِ حنیفہ کے لئے مرکزِ محسوس اور ان کی موت وحیات کے پرکھنے کی ایک کھلی ہوئی علامت (آیت) ہے۔ جس طرح قومِ ثمود سے کہا گیا تھا کہ یہ ناقۃ اللہ تمہارے کفر وایمان کے پرکھنے کی ایک نشانی ہے۔ اگر تم نے اس کی حفاظت کی تو یہ تمہاری اَنَابَتِ اِلَی اللّٰہِ کی نشانی ہوگی اور اگر اسے ضرر پہنچایا تو اس سے تمہارا انکار و جحود واضح ہو جائے گا۔ اسی طرح ملّتِ اسلامیہ کی ایمانی قوت وضعف کے پرکھنے کا معیار بیت اللہ ہے۔ اگر ان میں بیت اللہ کی حفاظت کی ہمت رہی تو یہ ان کی ملّی زندگی اور حرارتِ ایمانی کی دلیل ہوگی۔ اور اگر اس پر دوسروں کا اثر غالب آگیا تو یہ ان کی اسلامی موت کی نشانی (آیت) ہوگی۔ قومِ ثمود نے ناقۃ اللہ کی حفاظت نہ کی اور اللہ کے رسوا کن عذاب میں گرفتار ہوگئی۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ مِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ (۱۱/۶۶)

پھر جب ہماری (ٹھہرائی ہوئی) بات کا وقت آپہنچا، تو ہم نے صالح کو اور ان لوگوں کو جو اس کیساتھ ایمان لائے تھے، اپنی رحمت سے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے محفوظ رکھا۔ (اے پیغمبر!) بلاشبہ تیرا پروردگار ہی ہے جو قوت والا اور سب پر غالب ہے!

اور ہم بیت اللہ کی حفاظت کے قابل نہ رہے تو ذلت ورسوائی کا عبرت انگیز عذاب ہم پر مسلط ہوگیا اور قومِ ثمود کی طرح اس چالیس کروڑ "ہجومِ مومنین" کی یہ حالت ہوگئی کہ

فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۙ۝ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ (۱۱/۶۷-۶۸)

جب صبح ہوئی تو سب اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے۔ گویا ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔

اپنے دیار و امصار میں یوں مُردوں کی طرح اوندھے پڑے ہیں گویا ان میں کبھی زندوں کی طرح بسے ہی نہ تھے!

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ (۲۶/۱۵۸)

یقیناً اس کے اندر ایک نشانی ہے۔

وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (۲۶/۱۵۸)

اور (حقیقت یہ ہے کہ) ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم میں سے اکثر ان حقائق و عبر پر "ایمان" نہیں رکھتے۔ یونہی سرسری طور پر پڑھ کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ خود ہماری ہی عبرتناک داستان ہے کسی اور کا قصہ نہیں۔

اس ضمن میں اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ جس چیز کی نسبت خدا اپنی طرف کرتا ہے اس سے بالتخصیص یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ وہ تمام نوعِ انسانی کے مشترکہ فائدے کے لئے ہے۔ اس پر ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتی۔ قومِ ثمود کے اکابر، مویشیوں کی نسبت امیروں اور غریبوں کی طرف کر کے، غریبوں کے مویشیوں کو چشموں کے قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ جب ان سے اس بات پر معاہدہ ہوا کہ یہ چشمے اور چراگاہیں سب کے مویشیوں کے لئے یکساں طور پر کھلے رہیں گے تو اس کے لئے بطور نشان یہ کہا گیا کہ یہ ایک اونٹنی جس کے متعلق یہ سمجھو کہ یہ نہ کسی امیر آدمی کی ہے، نہ غریب کی۔ یہ خدا کی مخلوق ہے اس لئے اسے خدا کی زمین میں چرنے کا حق ہے۔ ناقۃ اللہ اور اَرضِ اللہ میں یہی خصوصیت مضمر ہے، اُسی طرح، جیسے خدا نے کعبہ کو بَیْتِیْ (میرا گھر) کہہ کر یہ اعلان کر دیا کہ وہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتا۔ وہ تمام نوعِ انسانی کے مفاد کے لئے یکساں طور پر کھلا رہے گا۔

واضح رہے کہ ارض کو اسی لئے ارض اللہ کہا گیا ہے کہ زمین پر کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتی۔ اسے تمام نوعِ انسان کی پرورش کے لئے کھلا رہنا چاہیئے۔ (تفصیل اس کی میری کتاب "نظامِ ربوبیت" یا "خدا اور سرمایہ دار" میں ملے گی)۔

خلاصۂ مبحث | اُمم سابقہ کا دوسرا مشہور قبیلہ ثمود تھا جس کا مسکن وادیٔ قریٰ اور دارالحکومت حجر تھا۔ یہ قوم بھی دولت و قوّت کی فراوانی کی مالک تھی، لیکن عاد کی طرح مفسد فی الارض۔ ان کی طرف حضرت صالحؑ مبعوث ہوئے۔ انھوں نے ان کی دعوتِ انقلاب کی سخت مخالفت کی اور وہی کچھ کیا جو اس سے قبل عاد نے حضرت ہودؑ سے کیا تھا۔ وہی اعتراضات، وہی اسلاف پرستی کا جذبہ، وہی قوّت پر زعمِ باطل۔ قرآن اس ضمن میں جس بات کو نمایاں طور پر اُبھار کر سامنے لایا ہے وہ یہ ہے کہ جب انسانوں نے مِل جل کر تمدّنی زندگی شروع کی تو اسی زمانے سے "امیر و غریب" کی کشمکش شروع ہوگئی جو اب تک جاری ہے۔ کچھ لوگوں نے کسی نہ کسی طرح قوّت حاصل کرکے، رزق کے سرچشموں پر قبضہ کرلیا اور اس طرح کمزور اور ضعیف ان کے دستِ کرم کے محتاج ہوگئے۔ یہی احتیاج تھی جس کی وجہ سے غریبوں کا طبقہ، صاحبِ قوّت و دولت طبقہ کا غلام بن گیا اور ان کی زندگی کا مقصد ان کے آرام و آسائش کے سامان فراہم کرنا قرار پاگیا۔ حضرات انبیائے کرامؑ کی آمد کے بنیادی مقاصد میں سے یہ بھی تھا کہ وہ رزق کے سرچشموں کو ان مستبد قوّتوں کے فولادی پنجوں سے چھڑا کر انھیں نوعِ انسانی کی ضروریات کے لئے عام کردیں۔ ظاہر ہے کہ اس انقلابی تحریک کی سب سے بڑھ کر مخالفت اِن لوگوں کی طرف سے ہوتی تھی جن کے ہاتھوں سے رزق کے یہ سرچشمے چھینے جاتے تھے۔ اسی کشمکش کا منظر ہے جو "ناقۂ صالح" کی شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے۔

اُس زمانے میں، لوگوں کی سب سے بڑی دولت مویشی تھے اور پانی ان کی زندگی کا سب سے بڑا آسرا ـــ یہ اکابرین پانی کے چشموں پر قابض ہوجاتے تھے اور غریبوں اور کمزوروں کے مویشیوں کی ان تک رسائی نہیں ہونے پاتی تھی۔ (ہم آگے چل کر داستانِ حضرت موسیٰؑ میں دیکھیں گے کہ طاقت وروں اور کمزوروں کے جانوروں کے پانی پینے کا یہ انسانیت سوز منظر مدین کی چراگاہ میں کس طرح نکھر کر سامنے لایا گیا ہے) حضرت صالحؑ نے ان اکابرین سے یہ عہد لیا کہ وہ بستی کے تمام لوگوں کے مویشیوں کی باری باندھ لیں اور اس میں امیر و غریب کا کوئی امتیاز نہ رہے۔ سب مویشی اپنی اپنی باری پر آکر پانی پئیں۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ اکابرین اس معاہدہ پر قائم رہتے ہیں یا نہیں، حضرت صالحؑ نے، غریبوں کے جانوروں کے نمایندہ کی حیثیت سے خود اپنی اونٹنی کو پیش کیا اور ان سے کہا کہ اگر انھوں نے اسے اس کی باری پر پانی پینے دیا تو سمجھ لیا جائے گا کہ وہ اپنے عہد پر قائم ہیں۔ لیکن اگر انھوں نے اُسے روکا تو اس سے مفہوم یہ ہوگا کہ وہ قانونِ عدل و مساوات سے سرکشی برتنے کا تہیّہ کرچکے ہیں۔ ان سرکش اکابرین نے اس اونٹنی کو نہ صرف پانی پینے سے روکا بلکہ اسے گھائل کرکے ختم ہی کردیا۔ اس کے بعد

ان کے ساتھ وہی کچھ ہوا جو دنیا میں ہر ظالم اور مستبد قوم کے ساتھ ہونا چاہیئے۔

آپ غور کیجئے کہ قرآن نے اس چھوٹے سے واقعہ سے انسانی نظامِ معیشت کے کس قدر اہم گوشے سے نقاب کشائی کی ہے اور اس پیچیدہ ترین گتھی کو سُلجھانے کے لئے کس قدر بلند اصول پیش کیا ہے۔ زمان اور مکان کی تبدیلی سے احوال و ظروف میں تبدیلی ہو جاتی ہے لیکن رُوح ہمیشہ وہی کارفرما رہتی ہے۔ حضرت صالحؑ کے زمانہ سے لے کر آج تک انسان نے اپنے معاشی نظام میں سینکڑوں تبدیلیاں کیں لیکن "پانی کا چشمہ" اکابرین کے جانور اور غریب کی اونٹنی" اصولی طور پر ہمیشہ باقی رہی۔ اس کا حل جب بھی ملا، اسی اصول میں ملا جسے قرآن نے اس ضمن میں پیش کیا ہے اور جب بھی ملے گا اسی اصول میں ملے گا، یعنی "خدا کی اونٹنی اور خدا کی زمین"۔